www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

پروفیسر محمد دین قاسمی

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ

(قرآنِ کریم کی روشنی میں)

دورِ حاضر میں یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلے کو بہت اُچھالا گیا ہے، فکرِ مغرب کی یلغار سے مسخر دماغوں نے اِس مسئلے کو ایک جذباتی پس منظر میں رکھ کر، علماءِ اُمت کو بالعموم اور فقہاءِ اسلام کو بالخصوص، خوب نشانہ بنایا ہے۔ قرآن کے نام پر قرآن کی مرمت کرنے والوں نے اسلام کے قانونِ وراثت کو جس طرح تختۂ مشق بنایا ہے، اِس کی واضح مثال بھی چونکہ "یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ" ہے اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اس پر قرآن وسنت کی روشنی میں بحث کرنے کی بجائے، صرف قرآن ہی کی روشنی میں غلام احمد پرویز صاحب کے دلائل کا جائزہ لیا جائے:

موصوف نے "لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ الْأَقْرَبُونَ" اور "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ" کا حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:

"اِن آیات میں والدین، اولاد اور اقربون کے الفاظ تشریح طلب ہیں، ہماری زبان میں والدین سے مراد صرف ماں باپ ہوتے ہیں اور اولاد سے مُراد بیٹے بیٹیاں۔ لیکن عربی زبان میں ماں باپ اور ان سے اُوپر تک (دادا پردادا وغیرہ) سب شامل ہوتے ہیں اور اولاد میں بیٹے بیٹیاں اور ان سے نیچے تک (پوتے پڑپوتے وغیرہ) سب۔ اِس حقیقت کو اہلِ فقہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اِس لیئے اِس کے متعلق کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اختلاف "اقربون" کے مفہوم میں ہے[1]۔"

---

[1] مطالب الفرقان، ج ۴، صفحہ ۲۸۹۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں موصوف نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اپنے ہی خیالات کی دُنیا میں گھوم پھر کر فرمایا ہے، بارگاہِ علم میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، "منکرِ قرآن" کے بقول، جس چیز کو یہاں اہلِ فقہ نے "متفقہ حقیقت" قرار دیا ہے۔ وہ قطعاً "متفقہ حقیقت" نہیں ہے، اس کی وضاحت آئندہ بحث کی لغوی تحقیق میں خود بخود ہو جائے گی۔

وَالِدٌ اور اَبٌ، نیز وَلَدٌ اور اِبْنٌ میں فرق

پرویز صاحب نے وَالِدَیْن اور اَوْلَاد کا جو مفہوم بیان کیا ہے، وہ اگر لُغتِ عرب سے جہالت کا نہیں تو شرارت کا یقیناً منہ بولتا کرشمہ ہے۔ حیرت یہ ہے کہ "منکرِ قرآن" صاحب کو عمر بھر کے مطالعہ کے بعد بھی ان الفاظ کا مفہوم معلوم نہ ہو پایا جس کے نتیجہ میں وہ خود بھی بھٹک گئے اور دوسروں کو بھی بھٹکاتے رہے۔ ضَلَّ فَاَضَلَّ۔

عربی زبان میں ماں باپ کے لیئے دو الفاظ مستعمل ہیں۔ وَالِدَیْن اور اَبَوَیْن۔ اِن دونوں کے درمیان میں فرق یہ ہے کہ اوّل الذکر میں ولادت کا براہِ راست تعلق کا پایا جانا ضروری ہے، جبکہ ثانی الذکر میں ولادت کے براہِ راست تعلق کا پایا جانا تو درکنار، بہرے سے ولادت ہی کے فعل کا پایا جانا بھی ضروری نہیں ہے۔ صرف کسی خاص تعلق یا مداومتِ صحبت کا وجود ہی اِس لفظ کے اطلاق کے لیئے کافی ہے وضاحت کے لیئے درج ذیل دو جملوں پر غور فرمائیے:

۱۔ زَیْدٌ وَالِدُ بَکْرٍ (زید بکر کا باپ ہے)

۲۔ زَیْدٌ اَبُوْ بَکْرٍ (زید بکر کا باپ ہے)

پہلے جملے میں، (جس میں والد کا لفظ استعمال ہوا ہے) لغوی طور پر یہ اَمر مستحق ہے کہ زید اور بکر کے درمیان ولادت کا تعلق موجود ہے۔ یعنی زید، بربنائے ولادت، بکر کا باپ ہے اور بکر، بربنائے ولادت، زید کا بیٹا ہے، لیکن دوسرے جملے کی رُو سے ان دونوں کے درمیان ولادت کے تعلق کا پایا جانا ضروری نہیں ہے یہ بھی ممکن ہے کہ زید، بربنائے ولادت ہی بکر کا باپ ہو اور بکر اس کا بیٹا ہو،

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ بھی ممکن ہے کہ زید ابھی تک غیر شادی شدہ ہو اور بکر سرے سے کوئی صلبی تعلق زید سے رکھتا ہی نہ ہو اور یہ محض زید کی کنیت ہو جو زید اور بکر کے درمیان کسی خصوصی تعلق یا دوام صحبت کو ظاہر کرتی ہو، جیسے مثلاً اَبُوْھُرَیْرَۃَ۔ ظاہر ہے کہ یہاں جس تاریخی شخصیت کو ابوہریرہ کہا گیا ہے، اس کے اور ھُرَیْرَۃ (ننھی سی بلی) کے درمیان سرے سے ولادت کا تعلق ہی مفقود ہے، اسی طرح امام نعمان بن ثابتؒ کو جو ایک جید عالم دین اور امام فقہ تھے، ابو حنیفہ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ حنیفہ نامی ان کی کوئی بیٹی، سرے سے تھی ہی نہیں، ہاں اگر وَالِدُ حَنِیْفَۃَ کا لفظ استعمال کیا جاتا تو پھر لغوی طور پر یہ امر ثابت شدہ ہوتا کہ حنیفہ نامی ان کی بیٹی تھی اور وہ اس کے باپ تھے۔

الغرض لفظ اَبٌ اور وَالِد (یا اَبَوَیْن اور وَالِدَیْن) کے درمیان جو نازک فرق واقع ہے۔ "منکرِ قرآن" صاحب عمر بھر اس سے جاہل اور بے خبر رہے اسی طرح جو فرق (اَبٌ[1] اور وَالِدٌ میں پایا جاتا ہے) وہی فرق اِبْنٌ اور وَلَدٌ میں موجود ہے لیکن اُردو میں دونوں لفظوں کا ترجمہ "بیٹا" ہی کیا جاتا ہے جس سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں (یا پیدا کی جاتی ہیں)۔ وَلَدٌ وہ بیٹا ہے جس کے ساتھ براہِ راست ولادت کا تعلق پایا جاتا ہے جبکہ اِبْنٌ کے ساتھ براہِ راست ولادت کے تعلق کا پایا جانا ضروری نہیں ہے بلکہ بعض اوقات سرے سے فعل ولادت ہی کے وجود کا پایا جانا بھی ضروری نہیں ہے۔ صرف طویل صحبت یا کسی اور خاص تعلق کا وجود ہی اس لفظ کے اطلاق کے لیئے کافی ہے، خود قرآن کریم میں ابن السبیل کا لفظ موجود ہے جس سے ظاہر ہے کہ براہِ راست ولادت کا تعلق تو رہا ایک طرف، یہاں تو مجرد ولادت کا فعل ہی موجود نہیں ہے، اسی لئے مسافر کو ابنُ السبیل تو کہا جاتا ہے مگر وَلَدُ السَّبِیل نہیں۔

وَلَدٌ اور اِبْنٌ (نیز وَالِدٌ اور اَبٌ) کا یہ فرق، جس کی وضاحت اوپر کی گئی ہے۔ ہمیشہ سے علماءِ لغت کے ہاں مسلّم رہا ہے۔ علامہ ابو ہلال عسکری (جو پانچویں

---

[1] اَبٌ دراصل اَبُوٌ ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدی ہجری کے نامور ادیب اور علم لغت کے ماہر تھے) نے "اَلْفُرُوْقُ فِی اللُّغَۃِ" کے نام سے ایک شہرۂ آفاق کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے مترادف الفاظ کے لغوی باریکیوں سے بحث کی ہے، اس میں فاضل مصنف نے وَلَدٌ اور اِبْنٌ (اور اسی ضمن میں وَالِدٌ اور اَبٌ) کے درمیان فرق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے

(الفرق) بين الولد والابن أن الابن يفيد الاختصاص و مداومة الصحبة ولهذا يقال ابن الفلاة لمن يداوم سلوكها وابن السرى لمن يكثر منه، وتقول تهنيت ابنًا اذا جعلته خاصًا بك، ويجوز أن يقال إن قولنا هو ابن فلان يقتضى أنه منسوب إليه ولهذا يقال الناس بنو آدم لأنهم منسوبون إليه وكذلك بنو اسرائيل، والابن فى كل شيئ صغير فيقول الشيخ للشاب يا بنى ويسمى الملك رعيته الأبناء وكذلك أنبياء من بنى إسرائيل كانوا يسمون أممهم أبناءهم ولهذا كنى الرجل بأبى فلان وإن لم يكن له ولد على التعظيم، والحكماء والعلماء يسمون المتعلمين أبناءهم ويقال لطالبى العلم أبناء العلم وقد يكنى بالابن كما يكنى بالأب كقولهم ابن عرس وابن نمرة وابن آوى وبنت طبق وبنات نعش وبنات وردان، وقيل أصل الابن التأليف والاتصال من قولك بنيته وهو مبنى وأصله بنى وقيل بنوء ولهذا جمع على أبناء فكان بين الأب والأبن تأليف - والولد يقتضى الولادة ولا يقتضيها الابن والابن يقتضى أبًا والولد يقتضى والدًا، ولا يسمى الانسان والدًا إلا إذا صار له ولد وليس هو مثل الأب لأنهم يقولون فى التكنية أبو فلان وإن لم يلد فلانًا ولا يقولون فى هذا والد فلان إلا أنهم قالوا فى

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الشّاۃ والد فی حملھا قبل أن تلد وقد ولدت إذا ولدت، ویقال الابن للذکر والولد للذکر والأنثی۔

ترجمہ: "وَلَدٌ اور اِبنٌ میں فرق یہ ہے کہ ابن صرف تعلق خاص اور دوام صحبت کا فائدہ دیتا ہے۔ اس لئے بیابان یا وسیع صحرائی راستے کے سالک کو ابنُ الفَلَاۃ کہتے ہیں اور رات کو بکثرت قطع مسافت کرنے والے کو ابن السری کہتے ہیں۔ اور جب تو کسی شخص کو اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے تو کہتا ہے کہ "میں نے اُسے بیٹا بنایا (تبنّیتہ)" ہمارے اس قول کے بارے میں، کہ "وہ فلاں کا بیٹا (ابن) ہے" یہ کہنا بھی جائز ہے کہ اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ "وہ فلاں کی طرف منسوب ہے"۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "لوگ آدمؑ کے بیٹے (بنو آدم) ہیں" کیونکہ لوگ اس کی طرف منسوب ہیں اور اسی طرح بنو اسرائیل میں بھی نسبت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ پھر اس لفظ کا اطلاق ہر شئے میں فرد صغیر پر کیا جاتا ہے۔ مثلاً بوڑھا، نوجوان سے "اے میرے بیٹے" کے الفاظ سے خطاب کرتا ہے، بادشاہ اپنی رعایا کو "ابناء" کے لفظ سے موسوم کرتا ہے، اسی طرح انبیاءِ بنی اسرائیل، اپنی اپنی قوم کو "اپنے بیٹے (أبناءھم)" کہتے تھے، اسی وجہ سے ایک آدمی کو تغلیباً اَبُو فُلَانٍ کے لفظ سے کنیت دی جاتی تھی، خواہ سرے سے اس کا کوئی بیٹا ہی نہ ہو۔ صاحبِ علم و حکمت اپنے شاگردوں کو "اپنے بیٹوں" (أبناءھم) کا نام دیتے ہیں اور علم کے طالبین کو "فرزندانِ علم" (أبناء العلم) کہا جاتا ہے اور کبھی بیٹے (اِبنٌ) کی نسبت سے کنیت رکھی جاتی ہے جیساکہ باپ (اَبُو) کی نسبت سے۔ مثلاً ابن عرس (نیولا)، ابن نمرہ (   )، ابنِ آدی (گیدڑ)، بنت طبق (سختیاں)، بنات نعش (مخصوص سات ستارے)، بنات وردان (   )، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ابن" کی اصل تالیف و اتصال ہے، جو تیرے اس قول سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ "میں نے اس کو آباد کیا" (بنیتہ) سے ماخوذ ہے جبکہ وہ (بنیتہ کی ضمیر مفعول) آباد شدہ ہے، اس کی اصل "ب، ن، ی" ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی اصل "ب، ن، ء" ہے، اسی لئے اسکی جمع "ابناء" ہے۔ (جس کا کلمہ لام ہمزہ ہے)، اسی طرح اَبٌ اور اِبْنٌ کے درمیان تالیف کا رشتہ پایا جاتا ہے۔

رہا وَلَدٌ تو اس میں فعل ولادت کا تقاضا پایا جاتا ہے، جبکہ اِبْنٌ میں قطعاً یہ تقاضا موجود نہیں ہوتا۔ اور اِبْنٌ، اَبٌ کو مقتضی ہے جبکہ وَلَدٌ، وَالِدٌ کو مقتضی ہے، اور کسی انسان کو وَالِدٌ نہیں کہا جاتا مگر اس وقت جبکہ (برنہائے ولادت) اس کا بیٹا (وَلَدٌ) ہو، اور وہ لفظ (وَالِدٌ)، اَبٌ کی طرح نہیں کیونکہ لوگ کنیت کے طور پر اَبُوْ فُلَانٍ بھی کہہ دیتے ہیں جبکہ اس نے "فلاں" کو جنم نہیں دیا ہوتا ایسے معاملے میں لوگ وَالِدُ فُلَانٍ کی ترکیب استعمال نہیں کرتے، ہاں مگر لوگ (انسانوں میں تو نہیں لیکن جانوروں میں سے) اُس بکری کے بارے میں وَالِدٌ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جو قبل از وقت، ابھی حالتِ حمل میں ہو، خواہ پھر وہ جس وقت بھی بچہ جنم دے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اِبْنٌ مذکر کے لئے ہے لیکن وَلَدٌ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے ہے

وَالِدَیْن اور اَبَوَیْن (نیز اَوْلاد اور اَبناء) کے درمیان جو لغوی فرق و تفاوت پایا جاتا ہے اُسے پیش نظر رکھئے اور پھر "منکرِ قرآن" صاحب کی جہالت، بے علمی یا دیدہ دانستہ مغالطہ انگیزی کو ملاحظہ فرمائیے:

"ہماری زبان میں وَالِدَیْن سے مراد صرف ماں باپ ہوتے ہیں لیکن عربی میں ماں باپ اور ان سے اُوپر تک (دادا پردادا وغیرہ سب شامل ہوتے ہیں اور اولاد میں بیٹے بیٹیاں اور ان سے نیچے تک (پوتے پڑپوتے وغیرہ) سب[1]"

[1] مطالب الفرقان، ج ۴، صفحہ ۲۸۹۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقت یہ ہے کہ والدین کے لفظ میں صرف ماں باپ ہی داخل ہیں، جن سے براہِ راست ولادت کا تعلق پایا جاتا ہے (والدین کا مادہ ہی و۔ل۔د ہے۔ جس سے ولادت کا مصدر ماخوذ ہے)۔ یہاں یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ چونکہ ایک شخص کی براہِ راست ولادت میں صرف والد اور والدہ ہی کا وجود ذریعہ بنتا ہے، اس لئے وَالِد کے لفظ سے ماں باپ کے لئے تثنیہ کا صیغہ وَالِدَیْن تو آتا ہے مگر عربی میں وَالِدٌ سے جمع کا صیغہ موجود ہی نہیں ہوتا۔ اور اَبٌ (باپ) کے لفظ میں چونکہ براہِ راست ولادت کا تعلق ضروری نہیں ہوتا، اس لئے اس لفظ سے جمع کا صیغہ "اٰبَاءٌ" موجود ہے۔ جس میں باپ کے علاوہ دادا پردادا وغیرہ سب شامل ہیں۔ "منکرِ قرآن" صاحب کی غلطی یہ ہے کہ وہ عمر بھر وَالِدَین اور اَبَوَین کے درمیان نازک فرق و تفاوت کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہے ہیں اور محض اُردو کے الفاظ "ماں باپ" کی آڑ میں ایک غلط روش اختیار کرتے رہے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ جَھْلِہٖ وَسُوْءِ فَھْمِہٖ۔

یاد رکھئے کہ وَالِدَیْن سے مُراد صرف ماں باپ ہیں۔ دادا پردادا وغیرہ ہرگز اِس کے مفہوم میں داخل نہیں ہیں۔ وَالِدَیْن کا مادہ "و۔ل۔د" ہی ولادت کے تعلق سے اِس کے مفہوم کو جملہ اصول میں سے صرف ماں باپ تک محدود کر دیتا ہے، ہاں البتہ اَبَوَیْن کا لفظ ہوتا تو ہم مان لیتے کہ اِس کے مفہوم میں ماں باپ یا اُن سے اوپر (دادا دادی یا پردادا پردادی وغیرہ) سب شامل ہیں، بالکل اِسی طرح اَولاد سے مُراد بھی صرف بیٹے بیٹیاں ہی ہیں۔ پوتے پڑپوتے وغیرہ ہرگز اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہیں۔ اولاد کا مادہ "و۔ل۔د" ہی ولادت کے تعلق سے اِس کے مفہوم کو صرف بیٹے اور بیٹیوں تک محدود کر دیتا ہے۔ ہاں البتہ اگر اَبناء کا لفظ ہوتا تو ہم یہ مان لیتے کہ اس کے مفہوم میں بیٹے بیٹیاں اور ان سے نیچے تک (پوتے پڑپوتے وغیرہ) سب شامل ہیں۔

پرویز صاحب کی مثال اوّل

اِس کے بعد ہم "منکرِ قرآن" صاحب ہی کی مثال سے اُن کی غلط نگہی اور مغالطہ انگیزی کی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضاحت کئے دیتے ہیں۔

زید، بکر، عمر، حمید، رشید: اس میں بکر سے لے کر رشید تک سب زید کی اولاد میں شامل ہیں اور حمید سے لے کر زید تک سب رشید کے والدین میں شامل ہیں، اس لحاظ سے زید کی وفات پر بکر سے لے کر رشید تک سب اس کے وارث قرار پائیں گے اور رشید کی وفات پر حمید سے لے کر زید تک۔ لیکن اس سے بڑی اُلجھنیں پیدا ہو جاتیں، قرآن مجید نے اَقْرَبُ کا اضافہ کر کے معاملہ کو صاف کر دیا۔[1]

(مطالب الفرقان ج ۴، صفحہ ۲۸۹)

پرویز صاحب کی اس مثال میں (جو دراصل رشید بن حمید بن عمر بن بکر بن زید کے سلسلۂ نسب کو ظاہر کرتی ہے) ان کا یہ فرمان کہ ــــ "بکر سے لے کر رشید تک سب زید کی اولاد میں شامل ہیں" ــــ قطعی طور پر غلط ہے۔ ہاں البتہ اگر وہ یہ کہتے کہ ــــ "بکر سے لے کر رشید تک سب زید کے اَبناء میں شامل ہیں" تو یہ بات یقیناً درست ہوتی۔ اِس مثال میں صرف بکر ہی زید کا واحد ولد ہے۔ اِسی طرح "مفکرِ قرآن" صاحب کا یہ دعویٰ کہ ــــ "حمید سے لے کر زید تک سب رشید کے والدین[2] میں شامل ہیں" قطعی طور پر بے بنیاد ہے، رشید کا والد صرف حمید ہے، البتہ اسکے آباء میں وہ سب شامل ہیں، کیونکہ رشید کا براہِ راست ولادت کا تعلق صرف حمید سے ہے۔ اور رشید اس کا ولد ہے۔

آیاتِ وراثت اور ولد و اولاد:

اب وَلَدٌ اور اِبْنٌ کے اس لغوی فرق و تفاوت کو ذہن میں رکھئے اور دیکھئے

[1] مطالب الفرقان، ج ۴، صفحہ ۲۸۹۔

[2] "مفکرِ قرآن" صاحب کو یہاں سوءِ فہم لاحق ہوا ہے، والدین تثنیہ کا لفظ ہے جس میں دو سے زائد افراد داخل نہیں ہو سکتے لیکن آبجہانی، حمید سے لے کر زید تک چار پشتوں کو اِس میں داخل کرتے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ جملہ آیاتِ وراثت میں قرآن کریم نے ورثاء کے لئے وَلَدٌ اور اَوْلَاد کے الفاظ استعمال کئے ہیں یا کہ اِبْنٌ اور اَبْنَاء کے۔

۱۔ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ۔ (۴/۱۱)

"اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے"

۲۔ وَلَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ کَانَ لَھُنَّ وَلَدٌ ..... وَلَھُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْتُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکُمْ وَلَدٌ، فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ ..... (۴/۱۲)۔

"تمہاری بیویوں کے ترکہ میں تمہارا نصف حصہ ہے۔ اگر ان کی اولاد نہ ہو، اگر ان کی اولاد ہو تو ..... تمہارے ترکہ میں تمہاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے۔ اگر تمہاری اولاد نہ ہو، لیکن اگر تمہاری اولاد ہو ....."

اِن آیات میں ورثاء کے طور پر بیٹے اور بیٹیوں کے لیئے اَبْنَاء کا لفظ نہیں بلکہ اولاد (وَلَد کی جمع) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اِس کے مفہوم میں صرف وہ ذریت واقع ہے جس سے میت کا براہِ راست ولادت کا تعلق ہو، کیونکہ وَلَد اور اَوْلَاد کا مادہ ہی "و۔ل۔د" ہے۔ جس سے بطور مصدر لفظ ولادت بنا ہے۔ اِس مفہوم میں اُردو زبان کے بیٹوں اور بیٹیوں کی آڑ میں، پوتوں اور پڑپوتوں کو داخل کرنا "منکرِ قرآن" صاحب کی بے جا سینہ زوری ہے۔

اِس کے بعد، ان آیات کو دیکھئے جن میں اولاد کا حق اِس طرح بیان کیا گیا ہے کہ میت یا مورث کے لیئے اَبَوَانِ کی بجائے وَالِدَانِ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

۱۔ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ۔ (۴/۷)

"مردوں کے لئے اِس ترکہ میں سے حصہ ہے۔ جو ماں باپ یا قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو"

۲۔ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ۔ (۴/۷)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"عورتوں کے لئے اس ترکہ میں سے حصہ ہے جو ماں باپ یا قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو"

۲۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ۔

(۴/۳۳)

"اور ہم نے ہر اس ترکے کے حقدار مقرر کر دیئے ہیں جو ماں باپ اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ دیں"

ان آیات میں بھی وَالِدَانِ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو براہ راست ولادت کے تعلق کا تقاضا کرتا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ترکہ کی تقسیم اصلاً اس ذریت میں واقع ہوگی جس سے میت کا براہ راست ولادت کا تعلق ہوگا۔ پوتے چونکہ دادے کے ساتھ براہ راست ولادت کا تعلق نہیں رکھتے، اس لئے دادے کی اولاد میں جب تک ایک بھی "وَلَد" موجود ہے، اس کی موجودگی میں وہ بہر حال وراثت نہیں پا سکتے، یہ قرآن کا صریح فیصلہ ہے، ہاں البتہ اگر دادے کا ایک بھی "وَلَد" نہ ہو اور پوتے موجود ہوں تو پھر پوتے وراثت میں حصہ پا سکتے ہیں۔ کیونکہ قرآن نے آیاتِ وراثت میں، ایک اور صرف ایک مقام پر ابناء کا لفظ استعمال کیا ہے جس میں وہ ذریت بھی شامل ہے جس سے براہ راست ولادت کے تعلق کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور وہ مقام ہے آیت ۱۱ کا وہ حصہ، جس میں "اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا" کے الفاظ موجود ہیں۔

مفکرِ قرآن اور لفظ "اَقْرَبُوْنَ"

اس کے بعد آئیے لفظ اَقْرَبُوْنَ کی طرف، جس کے متعلق، "مفکرِ قرآن" صاحب نے لکھا ہے کہ:

"جس لفظ نے قرآنی منشاء کو اس قدر واضح کر دیا تھا فقہ نے اسی سے سارے معاملے کو اُلجھا دیا"[1]

---

[1] مطالب الفرقان، ج ۴، صفحہ ۲۸۹۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُبحان اللہ! سارے معاملے کو اُلجھا دینے کا الزام، فقہ کو وہ لوگ دے رہے ہیں جو اپنی کج نگاہی کی بنا پر وَلَدٌ اور اِبنٌ کے لغوی مفہوم سے آنکھیں بند کرتے ہوئے قرآن کے پورے قانونِ وراثت کو اُلجھا رہے ہیں۔

موصوف نے لفظ اَقرَبُونَ کی تشریح یوں کی ہے:

"اَقرَبُونَ کا عام ترجمہ "رشتہ دار" یا "قریبی رشتہ دار" کیا جاتا ہے۔ اِس ترجمہ یا مفہوم کی رُو سے کہا جاتا ہے کہ قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دُور کا رشتہ دار وارث نہیں ہو سکتا، اَقرَبُونَ کے اسی مفہوم کی رُو سے یتیم پوتے کو دادا کے ترکہ سے محروم کیا جاتا ہے ......
.... (اَقرَبُ جمع اَقرَبُونَ) کا مندرجہ بالا مفہوم صحیح نہیں ہے، "اَقرَبُ" کا لفظی ترجمہ "قریب تر" ہے.... "رشتہ دار" نہیں۔ "رشتہ داروں" کے لیے قرآن میں ذوی القربیٰ وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔"[51]

یہاں "مفکرِ قرآن" صاحب نے پھر غلط بیانی کی ہے، یہ کہنا کہ "اَقرَبُ" کے مفہوم میں رشتہ داری کا مفہوم شامل نہیں۔ صرف "قریب تر" ہی کا مفہوم شامل ہے۔ قطعی غلط بات ہے۔ "مفکرِ قرآن" صاحب تضادات کے شہنشاہ تھے ایک مقام پر ایک چیز کی نفی کرتے تو دوسرے مقام پر اُسی کے اثبات پر اُتر آتے تھے مثال کے طور پر اسی اَقرَبُونَ کے مفہوم کو لیجئے، یہاں تو وہ یہ فرما گئے کہ ــــــ اَقرَبُ کا لفظی ترجمہ "قریب تر" ہے، رشتہ دار نہیں" ــــ لیکن آگے چل کر، آیت کُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ کا معنی "رشتہ دار" ہی کیا ہے۔

"...... خواہ یہ شہادت (اور تو اور) خود تمہارے اپنے خلاف جائے یا تمہارے والدین یا دیگر رشتہ داروں کے خلاف۔"[52]

اِس کے علاوہ آیت (۴/۷) میں اَقرَبُونَ کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے وہاں بھی

[51] مطالب الفرقان، ج ۴، صفحہ ۲۸۹، ۲۹۰۔ [52] مطالب الفرقان، ج ۴، صفحہ ۲۲۲۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے مفہوم میں "رشتہ داری" کا مفہوم داخل کیا گیا ہے۔

"مردوں کے لئے حصہ ہے اس مال میں سے، جو ان کے والدین یا وہ رشتہ دار جو ان کے اقرب ہوں، چھوڑ کر دیں، اسی طرح عورتوں کے لئے حصہ ہے اس مال میں سے جو ان کے والدین یا وہ رشتہ دار، جو ان کے اقرب ہوں، چھوڑ کر دیں[۵۱]"

بہرحال، "منکرِ قرآن" صاحب کا یہ فرمان صحیح نہیں ہے کہ اَقْرَبُوْنَ کے لفظ میں رشتہ داری کا مفہوم شامل نہیں ہے، اب اگر ان کے نزدیک ذَوِي الْقُرْبٰى یا اُوْلِي الْقُرْبٰى وغیرہ الفاظ میں، مفہومِ رشتہ داری موجود ہے تو اَقْرَبُوْنَ کے لفظ میں بھی یہ مفہوم موجود ہے ---------- فرق صرف یہ ہے کہ اول الذکر لفظ میں صرف "رشتہ داری" کا مفہوم واقع ہے، تو مؤخر الذکر لفظ میں "قریب ترین رشتہ داری" کا مفہوم موجود ہوگا۔

اس کے بعد پرویز صاحب نے اَقْرَبُ کے "قرآنی مفہوم" کی یوں وضاحت کی ہے:

"اَقْرَبُ کا مفہومِ قرآنی سمجھنے کے لئے پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھئے کہ قرآنِ مجید نے یہ نہیں کہا کہ "ترکہ اَقْرَبُوْنَ کو ملے گا" اس نے کہا کہ "جو کچھ اَقْرَبُوْنَ چھوڑ جائیں وہ ان کے ورثاء میں تقسیم ہو" یعنی اَقْرَبُ کا لفظ متوفی کے لئے آیا ہے وارث کے لئے نہیں، بظاہر ان دونوں باتوں میں کچھ فرق نظر نہیں آتا لیکن آگے چل کر آپ دیکھ سکیں گے کہ ان میں بڑا فرق ہے، اَقْرَبُ کے معنی ہیں وہ متوفی، جس کے اور اس کے وارث کے درمیان کوئی اور وارث حائل نہ ہو[۵۲]"

یہاں "منکرِ قرآن" صاحب نے "اَقْرَبُ" کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ طلوعِ اسلام کی ٹکسال کا خود ساختہ سکہ ہے جو شوقِ علم میں قطعی طور پر کھوٹا ہے، موصوف کا یہ کہنا کہ ---- اَقْرَبُ کا لفظ متوفی کے لیئے آیا ہے وارث کے لئے نہیں ہے"

---

[۵۱] مطالب الفرقان، ج ۴، صفحہ ۲۸۱۔ [۵۲] ایضاً ج ۴، صفحہ ۲۹۰۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ـــــ ایک ایسی بے معنیٰ بات ہے جس کا حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ آپ خواہ یہ کہیے کہ ـــــ "مرنے والا وارث کا اقرب ہے" یا یہ کہئے کہ ـــــ "وارث مرنے والے کا اقرب ہے" ـــــ دونوں صورتوں میں ایک ہی بات ہے۔ اس لئے یہاں خواہ مخواہ یہ نکتہ آرائی کرنا کہ آیۂ زیر بحث میں "اقرب کا لفظ متوفی کے لئے آیا ہے وارث کے لئے نہیں" محض پانی میں مدھانی چلانے کے مترادف ہے اور پھر عمر بھر قرآنی ریسرچ کے زعم میں مبتلا ہونے والے شخص کو اتنا بھی علم نہیں کہ قرآن نے اگر یہاں اَقْرَبُ کا لفظ متوفی کے لئے استعمال کیا ہے تو ایک دوسرے مقام پر اسی لفظ کو میت کے بعد، زندہ رہ جانے والوں کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً (آیت ۲/۱۸۰) کا مفہوم پرویز۔

> "جب تم دیکھو کہ تمہاری موت قریب ہے اور تم اپنے پیچھے کچھ مال و دولت چھوڑ رہے ہو تو تم اپنے والدین اور اقربین کیلئے قاعدے کے مطابق وصیت کر جاؤ" [1]

بہرحال، اس حقیقت کا خود پرویز صاحب کو بھی دبے لفظوں میں اقرار کرنا پڑا جب انہوں نے کہا کہ ـــــ "بظاہر ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا" ـــــ مگر اس کے بعد وہ "لیکن" کی دلدل میں ایسے پھنسے کہ اصل پٹڑی سے یہ کہتے ہوئے منحرف ہو گئے کہ

> "لیکن آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ ان میں بڑا فرق ہے، اَقْرَبُ کے معنی ہیں وہ متوفی، جس کے اور اس کے وارث کے درمیان کوئی اور وارث حائل نہ ہو" [2]

اب اگر آگے چل کر "منکرِ قرآن" صاحب نے یہ فرق کیا بھی ہے تو اس کی بنیاد یہ امر نہیں ہے کہ آیتِ وراثت میں "اقرب کا لفظ متوفی کے لئے آیا ہے وارث کے لئے نہیں" بلکہ یہ امر ہے کہ انہوں نے اقرب کا ایسا نیا نرالا اور خود ساختہ مفہوم وضع کر لیا ہے جو لغتِ عرب، عرفِ عام اور محاورہ عرب، ہر لحاظ سے غلط اور

[1] مفہوم القرآن صفحہ ۶۶۔ [2] مطالب الفرقان ج ۴، صفحہ ۲۹۰۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے بنیاد ہے۔ "منکرِ قرآن" صاحب نے لغات القرآن میں (ق۔ر۔ب) کے مادہ کے تحت، لفظ أَقْرَبُ اور أَقْرَبُونَ پر سرے سے بحث ہی نہیں کی تاکہ مزید لفظ زیر بحث آئے اور نہ ہی معانی کی سعد کا سوال پیدا ہو۔ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری

پرویز صاحب کی مثالِ ثانی

اب ہم پرویز صاحب کی مثالِ ثانی کا تجزیہ کرتے ہیں:

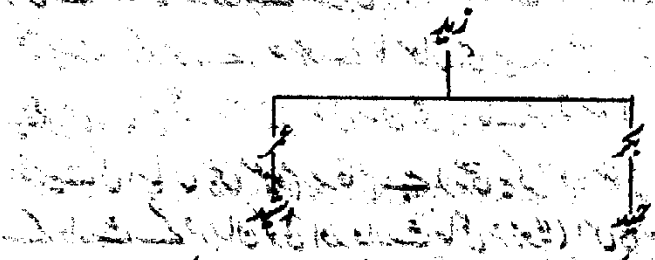

مثال ۲ کو سامنے لیجئے، زید، بکر اور عمر دونوں کا اقرب ہے کیونکہ اس کے اور اس کے بیٹوں کے درمیان کوئی اور وارث حائل نہیں ہے لیکن وہ حمید اور رشید کا اقرب نہیں کیونکہ اس کے اور ان دونوں کے درمیان، بکر اور عمر روک بن کر کھڑے ہیں، یعنی زید اور حمید کے درمیان بکر اور زید اور رشید کے درمیان عمر۔ لہذا بکر اور عمر کی موجودگی میں وہ حمید اور رشید کا اقرب نہیں ہو سکتا۔ بیشک وہ حمید اور رشید کا "والد" ہے۔ لیکن ان کا اقرب نہیں ہے[1]

اس اقتباس میں "منکرِ قرآن" صاحب نے چار مغالطے دیئے ہیں

اوّلاً ـــــ یہ کہ، انہوں نے زید کو بکر اور عمر کا اقرب قرار دیا اور پھر اس کی وجہ جواز یہ پیش کی کہ زید کے اور ان دونوں کے درمیان کوئی وارث حائل نہیں ہے حالانکہ یہاں سرے سے اقربیت کے طے کئے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال اس صورت میں پیدا ہوتا جبکہ حمید، رشید، عمر اور بکر سب زید کے مساوی

[1] مطالب الفرقان ج ۲، صفحہ ۲۹۰-

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وارث ہوتے، یہاں تو الفاظ قرآنی کی رُو سے صرف "اولاد" ہی کو حق میراث پہنچتا ہے اور "اولاد" میں بکر و عمر کے سوا اور کوئی داخل ہی نہیں ہے بلاشبہ حمید و رشید زید کے أبناء میں داخل ہیں لیکن قرآن، قانونِ میراث میں متوفی کے ترکہ میں سے اولاد کو حصہ دیتا ہے، أبناء کو نہیں۔ أبناء اور اولاد میں جو فرق ہے اسے ہم واضح کر چکے ہیں۔

ثانیاً ــــ یہ کہ انہوں نے فرمایا، کہ "زید، حمید اور رشید کا اقرب نہیں۔ کیونکہ اس کے اور ان دونوں کے درمیان بکر اور عمر روک بن کر کھڑے ہیں" اول تو یہاں اقربیت کے ہونے یا نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ تاہم اگر بر سبیلِ تنزل مان بھی لیا جائے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اقربیت کی اساس جس مفہوم پر قائم ہے (یعنی یہ کہ "وہ متوفی جس کے اور اس کے وارث کے درمیان کوئی اور وارث حائل نہ ہو") اس کی لغت عرب، محاورہ اہلِ زبان، یا عرف عرب میں کیا دلیل ہے؟ دلیل پیش کئے بغیر بات کو آگے بڑھانا سوءِ معاملت یا مغالطہ انگیزی ہے۔

ثالثاً ــــ یہ کہ پرویز صاحب نے اقربیت کے مفہوم میں جس رکاوٹ کا ذکر کیا ہے اس کی تشریح میں بھی مغالطہ آرائی کی گئی ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ ــــ "زید اور حمید کے درمیان بکر رکاوٹ اور زید اور رشید کے درمیان عمر" ــــ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ زید اور حمید کے درمیان رکاوٹ بکر اور عمر دونوں ہیں۔ اسی طرح زید اور رشید کے درمیان بھی بکر اور عمر دونوں رکاوٹ ہیں۔ کیونکہ حمید و رشید کے مقابلے میں بکر و عمر دونوں ہی زید سے براہ راست ولادت کا تعلق رکھتے ہیں۔ اگر پرویز صاحب زندہ ہوتے تو ہم ان سے استفسار کرتے کہ

"بکر و عمر، زید کے ترکہ میں حصہ دار حمید و رشید کے باپ ہونے کی حیثیت سے ہیں یا زید کے ولد ہونے کی حیثیت سے؟"

پہلی شق تو بداہتاً غلط ہے کیونکہ حمید و رشید نہ بھی پیدا ہوتے تب بھی بکر و عمر، زید کے وارث ہی قرار پاتے۔ اس لئے دوسری شق ہی صحیح ہے یعنی یہ کہ بکر و عمر زید کے وارث اس لئے ہیں کہ وہ زید کے بیٹے ہیں نہ کہ اس لئے کہ وہ حمید و رشید کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

... باپ ہیں۔ لہٰذا ان دونوں میں سے جب تک ایک بھی ولدِ زید موجود ہے۔ زید کا کوئی پوتا بھی حقِ میراث نہیں پا سکتا۔ یہی قرآنی قانون ہے جسے "مفکرِ قرآن" صاحب اَقرب کے خود ساختہ معنی کی آڑ میں عمر بھر مسخ و تحریف کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔

رابعاً: یہ کہ پرویز صاحب نے یہ کہہ کر پھر اہلِ علم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے کہ "بیشک وہ (یعنی زید) حمید اور رشید کا والد ہے لیکن وہ ان کا اقرب نہیں"۔ حقیقت یہ ہے کہ ازروئے لغت، نہ تو زید حمید و رشید کا "والد" ہی ہے اور نہ ہی یہ دونوں زید کے "ولد" ہیں۔ کیونکہ حمید و رشید سے زید کا براہِ راست ولادت کا تعلق نہیں ہے۔ زید کا ایسا تعلق صرف بکر و عمر ہی سے ہے، لہٰذا زید کی اولاد بکر و عمر ہیں نہ کہ حمید و رشید۔ ہاں البتہ حمید و رشید، بکر اور عمر ان سب کو ہم زید کے ابناء کہہ سکتے ہیں، اولاد نہیں، اولادِ زید میں صرف بکر و عمر ہی داخل ہیں۔

پرویز صاحب کی مثال ثالث

پرویز صاحب نے تیسری مثال میں اپنے مؤقف کی وضاحت بایں الفاظ پیش کی ہے:

زید	زید	یہ دونوں لائنیں الگ الگ ہیں۔ بکر حمید کی رکاوٹ ہے اور عمر رشید کی۔ حمید کی رکاوٹ بکر کے مرنے سے دُور ہوگی اور رشید کی عمر کے مرنے سے
بکر	عمر	
حمید	رشید	

آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ فقہ بھی اسے تسلیم کرتی ہے کہ زید اور حمید کے راستے میں رکاوٹ بکر ہے۔ عمر نہیں۔ اگر زید اور بکر کی زندگی میں حمید فوت ہو جائے تو اس کا وارث بکر ہوتا ہے، زید نہیں، لیکن اگر بکر حمید سے پہلے فوت ہو جائے تو پھر فقہ زید کو حمید کا وارث تسلیم کر لیتی ہے خواہ عمر زندہ ہی ہو۔ یعنی اس صورت میں عمر، زید اور حمید کے درمیان رکاوٹ نہیں بنتا۔ بالفاظِ دیگر، ہماری فقہ کی رُو سے یتیم پوتا تو دادا کی وراثت سے محروم قرار پاتا ہے۔ لیکن دادا اپنے یتیم

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوتے کی وراثت سے محروم قرار نہیں پاتا۔ یہ بات آپ کو عجیب سی لگے گی، لیکن عجیب ہو یا غریب ہے یہ واقعہ، فقہ کا بھی فیصلہ ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ فقہ خود تسلیم کرتی ہے کہ اقرب کے معنی "قریبی رشتے" نہیں[1] بلکہ وہ متوفی ہے جس کے اور اس کے وارث کے درمیان کوئی اور وارث نہ ہو[2]"

اس اقتباس میں پرویز صاحب نے تین لغزشوں کا ارتکاب کیا ہے۔

اولاً۔۔۔ یہ کہ پرویز صاحب نے زید کی میراث پانے میں، حمید کی رکاوٹ صرف بکر کو اور رشید کی رکاوٹ صرف عمر کو قرار دیا ہے حالانکہ زید کی ساری اولاد (اولاد میں سے ہر فرد)، زید کے پوتوں میں سے ہر ایک کے مقابلے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے کیونکہ پوتوں کے مقابلے میں بیٹے بہرحال دادا کے اقرب ہیں۔ (بشرطیکہ یہاں اقربیت کا سوال پیدا بھی ہو) کیونکہ وہ بربنائے ولادت اس کی اولاد ہیں جبکہ پوتے دادا کی اولاد نہیں ہیں، جب تک دادا کی اولاد میں سے ایک فرد بھی زندہ ہے وہ پوتوں کی نسبت دادا سے اقرب ہے۔ لہذا اس کی موجودگی میں پوتے دادا کے وارث نہیں ہو سکتے، پرویز صاحب کی پیش کردہ مثال کی روشنی میں حمید کے لئے رکاوٹ صرف بکر ہی نہیں عمر بھی ہے کیونکہ عمر اور بکر، زید کے وارث محض اس لئے ہیں کہ وہ دونوں زید کے بیٹے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ حمید و رشید کے باپ ہیں۔ پس جب تک بکر و عمر میں سے کوئی ایک یا دونوں موجود ہیں، وہ بربنائے حق ولدیت، زید کے وارث ہیں اور ان دونوں کی موجودگی میں (یا ان میں سے کسی ایک کی موجودگی میں) کوئی پوتا، خواہ وہ یتیم ہو یا نہ ہو، دادا کی میراث نہیں پا سکتا۔ اس لئے کہ قرآن، اصول کی موت پر فروع میں تقسیم ترکہ کے لئے ولد اور اولاد کے الفاظ استعمال کرتا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ زیر بحث مثال کی روشنی میں زید کے کسی بیٹے کی

---

[1] اس تضاد بیانی کو ملاحظہ فرمائیے کہ یہاں پرویز صاحب نے اقرب بمعنی "قریبی رشتہ دار" کی نفی کی ہے جبکہ آیت ۷ اور ۳۳ میں پھر انہی معانی کا اثبات کیا ہے۔ حوالے پہلے گزر چکے ہیں۔

[2] مطالب الفرقان، ج ۴، صفحہ ۲۹۱۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجودگی میں، اس کا کوئی پوتا مستحق میراث نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً ___ یہ کہ، پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ ___ "فقہ بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ زید اور حمید کے راستے میں رکاوٹ بکر ہے، عمر نہیں۔ .... ہماری فقہ کی رُو سے یتیم پوتا تو دادا کی وراثت سے محروم قرار پاتا ہے، لیکن دادا اپنے یتیم پوتے کی وراثت سے محروم قرار نہیں پاتا، یہ بات آپ کو عجیب سی لگے گی، لیکن عجیب ہو یا غریب، ہے یہ واقعہ، فقہ کا یہی فیصلہ ہے" ___

زیر بحث مثال کی روشنی میں، یہ امر تو فریقین کے درمیان متفق علیہ ہے کہ اگر زید اور بکر کی زندگی میں حمید فوت ہو جائے تو اس کا وارث بکر ہوتا ہے (قطع نظر اس کے کہ اس امر کی وجہ و بنیاد بھی متفق علیہ ہے یا نہیں) رہا یہ امر کہ اگر بکر حمید سے پہلے فوت ہو جائے تو پھر فقہ زید کو حمید کا وارث تسلیم کر لیتی ہے خواہ عمر زندہ ہی ہو، یعنی اس صورت میں عمر، زید اور حمید کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتا، بالفاظِ دیگر، ہماری فقہ کی رُو سے یتیم پوتا تو دادا کی وراثت سے محروم قرار دیا جاتا ہے، لیکن دادا اپنے یتیم پوتے کی وراثت سے محروم قرار نہیں پاتا ہے، پرویز صاحب کا بظاہر یہ اعتراض معقول دکھائی دیتا ہے، لیکن ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس کی کمزوری عیاں ہو جاتی ہے۔

"منکرِ قرآن" صاحب کی یہ ایک مستقل عادت تھی، کہ جس بات کی وہ مخالفت کرنا چاہتے تھے اُسے فقہ کے کھاتے میں ڈال دیتے تھے اور جس چیز کی وہ تائید کرنا چاہتے تھے اُسے چھیل چھال کر قرآن سے برآمد کر لیتے تھے، یہاں جس بات کو فقہ کے کھاتے میں ڈالا گیا ہے وہ بجائے خود قرآنِ مجید ہی سے ثابت ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے:

ہم قبل ازیں تفصیلاً یہ بتا چکے ہیں کہ از روئے لغت وَلَدٌ اس بیٹے کو کہتے ہیں جس سے کسی شخص کا براہِ راست ولادت کا تعلق ہو۔ جبکہ اِبنٌ کیلئے ولادت کا تعلق ہونا ضروری نہیں ہے، بالکل اسی طرح وَالِدٌ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے فعلِ ولادت کے نتیجہ میں کوئی شخص اس کا بیٹا بنا ہو، جبکہ اَبٌ (یا اَبُوْ) کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ براہ راست ولادت کا تعلق رکھتا ہو۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طرح اگر بیٹا وَلَدٌ ہے تو باپ وَالِدٌ ہوگا اور اگر بیٹا اِبْنٌ ہے تو باپ اَبٌ (یا اَبُوٌ) کہلائے گا۔

اب قرآن پر سرسری نظر رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ جب باپ کے مرنے کی صورت میں بیٹوں کی طرف مالِ وراثت کے انتقال اور تقسیم ترکہ کا ذکر آتا ہے تو قرآن کریم میں الفاظ بجائے اِبْنٌ اور اَبٌ کے وَلَدٌ اور وَالِدٌ کے استعمال ہوتے ہیں، لیکن جب قرآن، فروع کی موت کی صورت میں اصول کی طرف مالِ وراثت کے انتقال اور تقسیم ترکہ کا ذکر کرتا ہے، تو وہاں الفاظ جو استعمال ہوتے ہیں وہ وَلَدٌ اور وَالِدٌ کے نہیں بلکہ اِبْنٌ کی نسبت سے اَبٌ یا اَبَوَیْنِ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کی رُو سے یہ ضروری نہیں ہے کہ موث اور وارث کے درمیان براہِ راست ولادت ہی کا تعلق لازماً پایا جائے، مثلاً قرآن پاک کہتا ہے:

وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ، فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ، وَّوَرِثَهٗ اَبَوَاهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ..... (۴/۱۱)

"اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملنا چاہیئے اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اسکے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے۔"

لیکن جب اصول کی موت کی صورت میں فروع کا ذکر بطور وارث کے کیا جاتا ہے تو قرآن مجید، اِبْنٌ (یا اَبْنَاءٌ) کی بجائے وَلَدٌ اور اَوْلَادٌ کا ذکر کرتا ہے مثلاً يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ (وغیرہ آیات، جو پہلے بھی گزر چکی ہیں)، اِن حقائق کی روشنی میں جب یتیم پوتا مرتا ہے تو خود قرآن وَلِاَبَوَیْهِ کی صورت میں، جس ماں باپ کا ذکر کرتا ہے، ان کے متعلق یہ سرے سے ضروری ہے ہی نہیں کہ وارث اور موث کے درمیان ولادت کا براہِ راست تعلق پایا جائے ایسی صورت میں وَلِاَبَوَیْهِ کی رُو سے ماں باپ یا دادا دادی یا پردادا پردادی وغیرہ سب شامل ہوں گے، لیکن میراث ان میں سے صرف اس کو ملے گی جس کی میت اقرب

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوگی یا جو میت کا اقرب ہوگا۔ رہا عمر کا زندہ ہوتے ہوئے بھی اس صورت میں (پرویز صاحب کی مثال کی روشنی میں) حمید اور زید کے درمیان رکاوٹ نہ بننا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فروع سے اصول کی طرف منتہی ہوتے ہوئے، سلسلہ نسب کی کڑی سے وہ قطعی طور پر خارج ہے۔ پرویز صاحب کی پیش کردہ مثال ثالث کی صورت میں، یوں کہئے کہ ۔ اگر بکر حمید سے پہلے فوت ہوجائے تو زید، حمید کا وارث قرار پاجاتا ہے خواہ عمر زندہ ہی ہو، اس لئے کہ عمر، اس سلسلہ نسب میں جو حمید (میت یا مورث) سے شروع ہوکر زید تک منتہی ہوتا ہے، داخل نہیں ہے، لیکن جب دادا فوت ہوگا اور ترکہ اوپر سے نیچے آئے گا تو زید (میت یا مورث) کے نسب میں، عمر جو وَلدِ زید ہے۔ لازماً شامل ہوگا (خواہ بکر بقید حیات ہو یا نہ ہو)۔ یہی وجہ ہے کہ دادا کی میراث جب نیچے آتی ہے تو دادے کی اولاد، دادے اور اس کے پوتوں کے درمیان حائل ہوتی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ان پوتوں میں سے کوئی یتیم ہے یا نہیں ہے۔ لیکن جب میراث نیچے سے (یعنی پوتے کی موت کی صورت میں) اوپر جاتی ہے یا پرویز صاحب کی مثال کی رو سے، حمید سے زید کی طرف منتقل ہوتی ہے، تو بکر تو اس لئے حائل نہیں ہوسکتا کہ وہ پہلے ہی فوت ہوچکا ہے اور عمر (حمید کا چچا) اس لئے کہ وہ شرعاً بھتیجے کا وارث نہیں ہے اور یہ سارا فرق محض اس وجہ سے واقع ہوا ہے کہ خود قرآن نے اُوپر سے نیچے منتقل ہونے والی میراث کی صورت میں اولاد کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جبکہ نیچے سے اوپر کی طرف انتقالِ میراث کی صورت میں اَبَوَین کا لفظ اختیار کیا ہے۔

اس اقتباس کے آخر میں پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ

"اس سے واضح ہوتا ہے کہ فقہ خود تسلیم کرتی ہے کہ اقرب کے معنیٰ "قریبی رشتے" نہیں، بلکہ وہ متوفیٰ ہے جس کے اور اس کے وارث کے درمیان کوئی اور وارث نہ ہو"[۵]

اوّل، تو یہ فقہ کا مسئلہ نہیں بلکہ قرآن کا مسئلہ ہے اور جس بنیاد پر قرآن اسے طے

۵؎ مطالب الفرقان، ج ۴، صفحہ ۲۹۱۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے وہ بھی تفصیلاً بیان ہو چکی ہے۔ پھر اس کے بعد بھی اقرب کے خود ساختہ معانی پر اصرار کرتے چلے جانا، دراصل دوسروں کے الفاظ، خود اپنے خیالات کو پڑھنے کی عادت کا کرشمہ ہے۔

قائمقامی کا نظریہ پرویز اور اس کا جائزہ

پرویز صاحب نے اوّل تو لفظ "اقرب" کا خود ساختہ مفہوم گھڑا، جس کی کوئی سند، لغات و محاورۂ عرب سے پیش نہیں کی، دوسرے قانونِ وراثت میں قائمقامی کے من گھڑت نظریہ کو داخل کیا۔ جس سے اسلام کا معقول و متوازن قانونِ وراثت یکسر ابتر اور پراگندہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ موصوف نے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہ دادا کے مرنے کی صورت میں پوتا کیونکر مستحق وراثت ہو جاتا ہے۔ یہ لکھا ہے کہ

"اصل یہ ہے کہ حمید اپنے باپ کے مرنے پر باپ کی جگہ آ جاتا ہے، اسی طرح رشید اپنے باپ کے مرنے پر اس کی جگہ۔ اسوقت یہ زید کے پوتے نہیں رہتے۔ اولاد میں شامل ہونے کی جہت سے اس کے "بیٹے" بن جاتے ہیں، یعنی زید کے بیٹوں کے قائمقام ہو جاتے ہیں۔ یتیم پوتہ اپنے مرحوم باپ کا قائمقام ہوتا ہے"[1]

حقیقت یہ ہے کہ قائمقامی کا یہ نظریہ، قطعی طور پر خلافِ اسلام ہے۔ پرویز صاحب کا اصل کمال یہی تھا کہ وہ خلافِ اسلام اور مخالفِ قرآن نظریات کو، قرآنی الفاظ کی کھینچ تان کے ذریعہ، مشرفِ با اسلام کرتے کرتے "مفکرِ قرآن" بن گئے تھے، کتنی ہی باتیں ایسی ہیں، جنہیں قرآن کو تاویل کے خراد پر چڑھا کر "قرآنی" بنایا اور پھر ایسی قلابازی کھائی کہ اُسے "غیر قرآنی" بھی قرار دے لیا۔ اس کی بہت سی مثالیں، میں عنقریب ایک مضمون کی صورت میں پیش کر رہا ہوں، ان شاء اللہ العزیز۔ بہرحال، جہاں تک پرویز صاحب کے نظریۂ قائم مقامی کا تعلق ہے اس کا

---

[1] مطالب الفرقان، ج ۴، صفحہ ۲۹۲۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باطل ہونا درج ذیل وجوہ سے ظاہر ہے۔

۱۔ یہ نظریہ، قرآنی حصص میں کمی بیشی کر ڈالتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کے دونوں بیٹے اس کی زندگی میں فوت ہو گئے، ایک بیٹا، ایک پسر، اور دوسرا بیٹا چار فرزند چھوڑ کر مرا، اب دادا کی میراث میں از روئے قرآن، یہ تمام پوتے مساوی حصص کے حقدار ہیں۔ اگر دادا کا ترکہ ایک ہزار روپے پر مشتمل ہو تو تمام پوتوں کو دو صد روپیہ فی کس کے حساب سے مساوی حصے ملتے ہیں۔ لیکن قائمقامی کا یہ نظریہ، ایک پوتے کو (جو اپنے والد کا اکلوتا بیٹا تھا) کل ترکہ کا نصف (۱۰۰۰ کا $\frac{1}{2}$ = ۵۰۰) یعنی ۵۰۰ روپے دلاتا ہے۔ جبکہ بقیہ چار پوتوں میں سے ہر ایک کو باقی ماندہ نصف میں سے (۱۰۰۰ — ۵۰۰ = ۵۰۰ ÷ ۴) ایک ایک چوتھائی یعنی ۱۲۵ روپے فی کس دلاتا ہے جو قطعی طور پر خلافِ قرآن بھی ہے اور قرآنی حصص میں کمی بیشی کا باعث بھی ہے۔

۲۔ از روئے قرآن، میراث صرف اُن ورثاء کو مل سکتی ہے جو مورث کی وفات کے وقت زندہ ہوں نہ کہ وہ جو زندہ فرض کر لیے گئے ہوں اور پھر ان کے قائم مقام بن کر کچھ اور لوگ میراث پائیں، لیکن قائم مقامی کا یہ نظریہ، ایسے لوگوں کا حق میراث بھی تجویز کرتا ہے، جو مورث کی زندگی ہی میں فوت ہو چکے ہوں۔ جس کا گویا مطلب یہ ہے کہ مورث کی حیات ہی میں ورثاء کا حق وراثت پیدا ہو جاتا ہے، البتہ اس کا نفاذ، مورث کی موت تک موخر رہتا ہے، حالانکہ یہ چیز بھی بجائے خود غلط ہے کیونکہ مورث کی زندگی میں سرے سے کوئی حق میراث پیدا ہی نہیں ہوتا کجا یہ کہ اس کا نفاذ مرگِ مورث تک التواء کا شکار رہے۔ قرآن کریم کی رُو سے وارث کا حق پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے جبکہ مورث، مال چھوڑ کر مر چکا ہو، قرآنی آیات اس پر گواہ ہیں:

> "مردوں کیلئے اس مال میں سے حصہ ہے جو والدین اور قریب تر رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کیلئے اس مال میں سے حصہ ہے، جو والدین اور قریب تر رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔"[۵۱]

[۵۱] النساء، آیت ۷۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اگر کوئی شخص ہلاک ہو جائے اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو جو کچھ اس نے چھوڑا ہو، اس کا نصف بہن کے لیے ہے[1]"

اسی طرح آیت ۱۱، ۱۲ میں بار بار تَرَکَ، تَرَکْتُمْ اور تَرَکْنَ کے الفاظ بھی یہی حقیقت واضح کرتے ہیں کہ

(ا)۔ حق میراث مورث کی موت سے قبل پیدا نہیں ہوتا۔

(ب)۔ میراث کے حقدار صرف وہ لوگ ہیں جو مورث کی موت کے وقت زندہ ہوں نہ کہ زندہ فرض کر لئے گئے ہوں۔

(ج)۔ جو لوگ مورث کے حین حیات مر چکے ہوں، ان کا میراث میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ وہ اس وقت مر چکے تھے جب ان کا حق میراث پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا اب کوئی فرد بشر ان کا قائمقام بن کر حق میراث نہیں پا سکتا، اِلّا یہ کہ وہ خود اپنا کوئی شرعی حق میراث میں رکھتا ہو۔

۲۔ پرویز صاحب کی پہلی غلطی تو یہ ہے کہ وہ قرآن کے قانون وراثت میں قائم مقامی کا ایک خود ساختہ نظریہ گھسیٹرتے رہے ہیں پھر دوسری غلطی یہ کرتے رہے ہیں کہ اس من گھڑت نظریے کا انطباق بھی من مانے طریقوں پر کرتے رہے ہیں، سیدھی سی بات ہے کہ اگر قائمقامی کا یہ نظریہ واقعی "معقول" چیز ہے تو پھر اسے صرف یتیم پوتے ہی کی حد تک کیوں محدود رکھا جائے، پھر تو اسے وسیع ہونا چاہیئے، اور یوں کہنا چاہیئے کہ

"ہر وہ شخص، جو مورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہونے کی صورت میں شرعاً وارث ہوتا، وہ اگر مورث کی زندگی ہی میں مر گیا ہو تو اس کے تمام شرعی وارث بوقتِ وفاتِ مورث، اسکے قائمقام قرار پائیں گے اور انہیں میراثِ مورث میں سے حصہ ملے گا۔"

لیکن پرویز صاحب تھے کہ اسے صرف یتیم پوتے کی حد تک ہی محدود رکھتے

[1] النساء: ۱۷۶۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے۔ کیا اس طرزِ عمل کی کوئی عقلی یا قرآنی دلیل ہے؟

میں چاہتا ہوں کہ قائم مقامی کے اس خود ساختہ نظریئے کی لغویت کو چند مثالوں کے ذریعہ واضح کر دوں۔

(۱) ایک شوہر کی بیوی مدت ہوئی فوت ہو چکی ہے، اس بیوی کے جملہ وارث اب بھی زندہ ہیں، اب شوہر بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ بیوی کے وارثوں کو بیوی کا قائم مقام بنا کر مرنے والے شوہر کی جائیداد میں سے حصہ نہ دیا جائے بالکل اسی طرح، جس طرح آپ، باپ کی وفات کی صورت میں یتیم پوتے کو باپ کا قائم مقام بنا کر دادے کی میراث میں حصہ دار بناتے ہیں؟

(۲) ایک شخص کا شادی شدہ پسر اس کے حینِ حیات فوت ہو گیا، اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، اب کیا وجہ ہے کہ اس بیٹے کی بیوہ، خسر کی وفات پر اپنے شوہر کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے، ترکہ میں سے حصہ نہ پائے؟ جب کہ بیوہ کی بجائے اگر اس کا بیٹا ہوتا تو وہ آپ کے خود ساختہ نظریۂ قائم مقامی کے باعث "یتیم پوتا" بن کر دادا کی میراث پا لیتا؟ یہ نظریہ، جس سے گزشتہ چودہ سو سال سے فقہائے ملت اور ماہرینِ قانونِ اسلامی۔۔۔ ناواقف رہے، اور جس کا انکشاف، دورِ حاضر کے ان دانشوروں پر ہوا ہے جن کے چراغِ دانش کا ایندھن تہذیبِ فرنگ بنے لیا گیا ہے، آخر ایک بیوہ کو خسر کے ترکہ میں سے حصہ کیوں نہیں دلاتا؟ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہر سانس میں "مذہبی پیشوائیت" کو مطعون کرنے والے یہ کالے انگریز، خود "مذہبی پیشوا" بن کر قائم مقامی کا خود ساختہ نظریہ قائم کرتے ہیں، اور پھر اُسے بے لاگ طریقے سے نافذ کرنے کی بجائے، من مانے طریقوں سے جاری کرتے ہیں۔

(۳) ایک شخص کے چار بچے اس کی زندگی میں فوت ہو گئے، اب اُس کی وفات پر، ان چاروں بچوں کی ماں کو کیوں نہ ان کا قائم مقام قرار دیا جائے، اور اس بیوہ کو حقِ زوجیت کے علاوہ ان مرحوم بچوں کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے بھی کیوں نہ اسے حصۂ میراث دلایا جائے؟ ہم نہیں سمجھتے کہ "قائم مقامی" کا یہ اصول تسلیم کر لینے کے بعد ایسی بیوہ کو محروم الارث کیا جا سکتا ہے۔ یہ چند مثالیں پرویز صاحب کے موقف کی لغویت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں، غور و فکر سے ایسی مزید مثالیں بھی سامنے آجاتی ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک غلط تاثر اور اس کا ازالہ:

گزشتہ تیس چالیس برسوں میں یتیم پوتے کی وراثت کے مسئلہ پر، جن لوگوں نے فقہائے ملت سے اختلاف کیا ہے، انھوں نے اسے اس انداز میں اچھالا ہے کہ یہ تاثر عام ہوگیا کہ شرعی قانونِ وراثت بس اس قدر ہے کہ یتیم پوتا، میراثِ جد سے محروم قرار پاتا ہے، یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ پوتا یتیم ہونے کے ساتھ ساتھ دادے کی میراث سے بھی محروم قرار پائے۔ اس بے ہنگم شور و شغب میں، قلوب و اذہان پر، یہ تصور مستولی ہوگیا کہ اسلامی قانونِ وراثت میں، پوتے کے لیے دادا کی میراث پانے کی کوئی اور صورت ہے ہی نہیں بس یہی واحد صورت ہے۔ اب اگر اس میں پوتے کو کچھ نہیں ملتا تو گویا اس کے لیے دادے سے ترکہ پانے کی ساری راہیں مسدود ہوگئیں۔ پھر ایک جذباتی پس منظر میں، ہمدردی، رحمت اور شفقت کے نام پر ایسی فضا تیار کی گئی، جس میں دادے سے محروم الارث پوتا "مجسمہ مظلومیت" دکھائی دینے لگا اور فقہاءِ ملت، (جنہوں نے ازروئے اسلام یہ مسئلہ بیان کیا) فہم قرآن سے ایسے عاری، بلید الذہن اور کودن دماغ نظر آنے لگے جو ہمیشہ سے "یتیم دشمن" رہے ہیں۔ اس فضا میں تجدد پسند طبقہ نے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے ایک طرف تو آہِ سرد بھر کر "آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق" کا رونا رویا، اور دوسری طرف اپنے عزمِ تحقیق کا مظاہرہ کرتے ہوئے "نظریہ قائم مقامی" کو ایجاد کیا، تاکہ یتیم پوتے سے ہمدردی و رحمت کے تقاضے پورے ہو جائیں، لیکن اس کی بیوہ ماں کو نظر انداز کر دیا، جو اسی نو ساختہ نظریے کی اساس پر اپنے شوہر کی قائم مقام بن کر، اُسی خسر سے ترکہ پانے کی مجاز ہے جس سے اس بیوہ کا لڑکا، یتیم پوتے کی حیثیت سے میراث پا رہا ہے۔ ہمدردی کے نام پر یتیم پوتے کو ترکۂ جد میں سے حصہ دلانا اور اُس کی بیوہ ماں کو خسر کی میراث سے محروم کرنا، ایک ایسا طرزِ عمل ہے جسے بلا دلیلِ عقلی اور بلا برہانِ نقلی اختیار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام کو جیسی ہمدردی یتیموں سے ہے ویسی ہی بیواؤں سے بھی ہے۔

بہر حال، زیرِ بحث مسئلہ میں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں، کہ پوتا بہت سی صورتوں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں دادا کا ترکہ پاتا ہے۔ ان سب صورتوں میں یہی وہ واحد صورت ہے جس میں پوتا محروم الارث رہتا ہے، اس کے علاوہ باقی تقریباً تمام صورتوں میں وہ میراث پاتا ہے۔

استحقاقِ میراث کی مختلف صورتیں:

بعض صورتوں میں پورے کا پورا ترکہ اور بعض میں نصف اور بعض میں کم وبیش ترکہ اسے ملتا ہے، چند ایک مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ میت اگر ایک یتیم پوتا اور حقیقی بہن بھائی چھوڑ کر مرے تو کل کا کل مال پوتے کو ملے گا۔

۲۔ اگر یتیم پوتے کے ساتھ میت کے ماموں اور خالہ بھی ہوں۔ تب بھی صرف پوتے ہی کو کل مال ملے گا، اسی طرح اگر ماموں زاد، خالہ زاد بہن بھائی ہوں تب بھی پورا ترکہ پوتے ہی کا ہوگا۔

۳۔ اگر میت کی پھوپھی یا اس کی اولاد ہو، تب کل ترکے کا یتیم پوتا ہی وارث ہوگا۔

۴۔ اگر صرف نانا ہی ہو تب بھی میت کا کل ترکہ پوتے ہی کو ملے گا۔

۵۔ اگر میت کا تایا چچا یا عمزاد ہو تب بھی یتیم پوتا ہی کل ترکے کا وارث ہوگا۔

۶۔ اگر میت کے بھتیجے ہوں تب بھی یتیم پوتا ہی سارا ترکہ پائے گا۔

۷۔ اگر یتیم پوتا اور بھانجے بھانجیاں ہی میت کے پسماندگان ہوں تب بھی سارا ترکہ پوتے کو ملے گا۔

۸۔ اگر میت کا ایک یتیم پوتا اور پھر اس سے نچلی نسلوں کے کئی عزیز موجود ہوں تب بھی صرف پوتا ہی سارے ترکہ کا مالک ہوگا۔

۹۔ اگر میت کا صرف ایک ہی پوتا یا ایک ہی پوتی ہے تو کل مال کے یہی وارث ہوں گے۔

۱۰۔ اگر میت کا ایک یتیم پوتا ہو اور باپ شریک بہن بھائی ہوں، تب بھی پورے کا پورا ترکہ پوتے ہی کو ملے گا دوسروں کو کچھ نہیں ملے گا۔

۱۱۔ اگر میت کا ایک یتیم پوتا ہو اور اس کے ایک یا بہت سے ماں شریک بہن بھائی ہوں۔ تب بھی پوری میراث پوتے ہی کو ملے گی۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۔ اگر میت کے پسماندگان میں صرف ایک یتیم پوتا اور میت کا نانا ہے، تب بھی پوتا ہی پورے ترکے کا واحد وارث ہوگا۔

۱۳۔ اگر مرنے والا ایک یتیم پوتا اور بیوی چھوڑ کر مرے تو بیوی کو آٹھواں حصہ اور باقی (یعنی ۷/۸) یتیم پوتے کو ملے گا۔

۱۴۔ اگر میت ایک یتیم پوتا اور باپ چھوڑ کر مرے تو باپ کو چھٹا حصہ ملے گا جبکہ باقی (یعنی ۵/۶) جائداد کا سارا یتیم پوتا حاصل کرے گا۔

۱۵۔ اگر میت کا ایک یتیم پوتا اور دادا ہو، تو دادا کو چھٹا حصہ اور باقی سارا (یعنی ۵/۶) یتیم پوتے کو ملے گا۔

۱۶۔ اگر میت کا ایک یتیم پوتا اور والدہ ہو تو والدہ کو چھٹا حصہ اور باقی سب (یعنی ۵/۶) یتیم پوتے کا حصہ ہوگا۔

۱۷۔ اگر میت کی نانی یا پڑنانی ہو تو چھٹا حصہ اسے دیا جائے گا بقیہ سارا ترکہ (یعنی ۵/۶) میت کے یتیم پوتے کو ملے گا۔ پڑنانی کی ماں اور نانی وغیرہ کی موجودگی میں بھی ایسی ہی صورت ہوگی۔

۱۸۔ اگر میت کی دادی یا پڑدادی ہو یا میت کے باپ کی نانی یا پڑنانی وغیرہ ہو تو اسے چھٹا حصہ دے کر باقی سب (یعنی ۵/۶) میت کے یتیم پوتے کو ملے گا۔

۱۹۔ اگر میت کا شوہر اور یتیم پوتا ہو تو شوہر کو ایک چوتھائی اور باقی سب کا سب (یعنی ۳/۴) یتیم پوتے کا حصہ ہوگا۔

۲۰۔ اگر میت کی ایک بیٹی اور ایک یتیم پوتا ہو، تو نصف ترکہ بیٹی کو ملے گا اور باقی نصف یتیم پوتے کی میراث ہوگا۔

۲۱۔ اگر میت کی ایک سے زائد بیٹیاں ہوں تو دو تہائی بیٹیوں کو دے کر باقی (یعنی ۱/۳) یتیم پوتے کا حصہ ہوگا۔

یہ مشتے نمونہ از خروارے چند مثالیں ہیں۔ ورنہ ذرا اور غور و تامل کیا جائے تو بہت سی ایسی مثالیں اور بھی مل سکتی ہیں۔ ان میں پہلی بارہ مثالیں وہ ہیں جن میں یتیم پوتے کو میت کا پورا ترکہ مل جاتا ہے، اگلی سات مثالیں (۱۳ تا ۱۹) وہ ہیں جن میں یتیم پوتا نصف سے بہت زیادہ ترکے کا وارث قرار پاتا ہے۔ آخری دونوں مثالوں میں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ